© rasailojaraid.com

زکاۃ کی معاشی اہمیت کے چند پہلو

(علامہ ابن قیم کی نظر میں)

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

اسلامی فریضہ زکاۃ کو عام آدمی محض ایک خیراتی نظام سمجھتا ہے۔ لیکن مسلم ماہرین معاشیات اسے اسلامی مالیاتی نظام کا اساسی رکن قرار دیتے ہیں۔ ہر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ زکاۃ کا نظام قائم کرے، زکاۃ کی تحصیل اور نظم ونسق کا پورا انتظام کرے اور قرآن میں مذکورہ مصارف کے مطابق اسے خرچ کرے۔ زکاۃ کے تجزیہ اور معاشی زندگی پر اس کے دور رس اثرات پر اس وقت کافی کتابیں دستیاب ہیں[1]۔ قدماء کی تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی زکوٰۃ کو انفرادی خیراتی عمل سمجھنے کے بجائے اس کو اجتماعی معاشی زندگی کا ایک جامع و موثر حصہ سمجھتے تھے۔ پیش نظر مضمون میں زکاۃ کی معاشی اہمیت سے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ء) کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

زکاۃ چند شرائط کے ساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے، اور قرآن مجید میں نماز کے بعد سب سے زیادہ اسی فریضہ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ زکاۃ کے مختلف پہلوؤں کے اثر

---

[1] پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی کی اسلامی معاشیات سے متعلق ریسرچ رپورٹ CONTE-MPORARY LITERATURE ON ISLAMIC ECO-NOMICS مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن انگلینڈ ۱۹۷۸ء میں زکاۃ کی معاشی اہمیت اور متعلقات پر انگریزی، عربی اور اردو کتابوں اور مقالات کے تقریباً تیس حوالے درج ہیں ص ص ۲۹-۳۱، ۴۸، ۵۴ ان میں یوسف القرضاوی کی کتاب فقہ الزکاۃ (دو جلدیں) زکاۃ کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہند و پاک میں شائع ہو چکا ہے، ادھر حال میں کئی اور مجموعے اور مقالات زکاۃ کی معاشی اہمیت سے متعلق منظر عام پر آچکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحکم پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" میں تحریر کرتے ہیں:۔

هديه في الزكاة أكمل	زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت، اس کی مقدار
هدي في وقتها وقدرها	اس کا نصاب اور کن لوگوں پر واجب
ونصابها ومن تجب عليه	ہوگی اور اس کے مصارف کیا ہیں
ومصرفه وراعى فيه	ان ساری چیزوں سے متعلق حضورؐ
مصلحة ارباب الاموال	کی رہنمائی و اسوہ نہایت جامع و کامل
ومصلحة المساكين وجعلها	ہے۔ آپؐ نے اس سلسلہ میں مالداروں
الله تعالى طهرة للمال ولصاحبه	اور مسکینوں دونوں کے مفادات اور
وقيد النعمة به على الاغنياء	مصلحتوں کا خیال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ
فما زالت النعمة بالمال	نے زکاۃ کو مال وصاحب مال کی
على من ادى	پاکی کا ذریعہ بنایا ہے اور مالداروں پر
زكاته بل يحفظه	اس کے سبب اپنی نعمت بحال رکھی
عليه وينميه	ہے۔ چنانچہ جو پابندی سے زکاۃ
له ويدفع عنه	ادا کرتا ہے اس کے ساتھ مال کی
بها الآفات ويجعلها	نعمت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ بلکہ اس
سورا عليه وحصنا له	پر اس کی حفاظت فرماتا ہے اور مزید
وحارسا له.[1]	اسے بڑھاتا ہے، اور اسی سے ہر طرح
	کی مصیبت دور کرتا ہے، زکاۃ کو اس کے
	لئے ایک فصیل، قلعہ اور محافظ بنادیتا ہے

زکاۃ۔ دولت کی پاکی وبالیدگی کے معنی میں

زکاۃ کے لغوی معنی تطہیر وتزکیہ یا پاکی وبالیدگی کے ہیں جو عام طور پر روحانی واخلاقی

© rasailojaraid.com

[1] ابن القیم۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد حصہ اول ص ۱۳۰ ۔ القاہرہ المطبعۃ المصریہ ومکتبتہا بدون تاریخ

© rasailojaraid.com

معنوں میں لیا جاتا ہے، لیکن ابن قیمؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے مترشح ہے کہ تطہیر و تزکیہ معاشی معنوں میں بھی صحیح ہے بشرطیکہ زکاۃ کا نظام اچھی طرح قائم و دائم ہو، کیونکہ زکاۃ ایثار و ہمدردی اور تعاون جیسے اچھے جذبات کی فضا پیدا کرتی ہے، جس کی وجہ سے فقر و فاقہ اور شور و شر میں کمی آجاتی ہے اور معاشرہ پاک و صاف اور پر امن نظر آنے لگتا ہے، یہ چیز پیداواری عمل اور کاروبار کے لئے سازگار ماحول فراہم کرتی ہے، جس سے زکاۃ ادا کرنے والے کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ زکوٰۃ اموال نامیہ پر ہوتی ہے اور شرط یہ ہے کہ پورا سال گزر چکا ہو، اس کے ساتھ یہ خوف کہ ہر سال زکاۃ کی ادائیگی مال کی مقدار کم کرتی رہے گی، یہ سارے عوامل بھی صرف و استثمار پر ابھارنے والے ہیں، اس طرح بھی زکاۃ دولت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی برکت و توفیق سے جو اضافہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے سچ فرمایا اللہ کے رسولؐ نے

ما نقصت صدقۃ من مال ؎ — صدقہ و زکاۃ کبھی مال میں کمی کا باعث نہیں بنتے۔

اس کے برخلاف اگر زکاۃ کا نظام قائم نہ ہو تو کم آمدنی والے طبقات میں محرومی و بے چارگی کے احساسات عام ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بغض و حسد، عداوت و مخاصمت اور محروم اور متمول کے درمیان کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، معاشرہ میں تعفن سا محسوس ہوتا ہے جس کا اثر پیداواری عمل اور عام معاشی سرگرمیوں پر بھی پڑتا ہے۔

آسان و مناسب شرح زکاۃ

زکاۃ جود و سخا، محبت و اخوت اور ایثار و قربانی جیسے صفات کو پروان چڑھاتی ہے شریعت نے زکاۃ کی جو شرح رکھی ہے وہ ان مقاصد کو اچھی طرح پورا کرتی ہے۔ زکاۃ

؎ احمد بن حنبل۔ مسند احمد بن حنبل جلد دوم ص ۲۳۵ بیروت، المکتب الاسلامی بدون تاریخ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی جانے والی رقم ادا کنندگان کے لحاظ سے کوئی بہت بڑی نہیں ہوتی کہ انھیں گراں گزرے لیکن وہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے کافی ہوتی ہے، اگر زکاۃ کی شرح بہت اونچی ہوتی تو مالدار ادائیگی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے حیلوں کا سہارا لیتے اور دوسروں میں مفت خوری کی عادت بڑھ جاتی، جس سے زکاۃ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اسی حقیقت کی طرف ابن قیمؒ درج ذیل عبارت میں اشارہ کرتے ہیں۔

ثم انہ لما کان لا یحتمل	چونکہ مال کی ہر قلیل مقدار میں دوسروں
المواساۃ کل مال وان	کی حاجت روائی ممکن نہیں اس لئے
قل جعل للمال الذی یحتمل	مال کی اس مقدار کا جس سے دوسروں
المواساۃ نصبا مقدرۃ	کو بھی نوازا جا سکے ایک نصاب
المواساۃ فیہا لا تجحف	طے کر دیا گیا ہے، جس سے مالداروں
بارباب الاموال وتقع	کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور حاجت مندوں
موقعہا من المساکین....	کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔
فاقتضت حکمتہ ان	حکمت خداوندی نے مال کی
جعل فی الاموال قدرا	ایک مقدار متعین کر دی ہے جس
یحتمل المواساۃ ولا یجحف	سے دوسروں کی مدد ہو سکے اور کسی
بہا ویکفی المساکین ولا	پر ظلم نہ ہو اور اہل حاجت کے لئے
یحتاجون معہ الی شئی	اتنا کافی ہو کہ اس کے بعد کسی اور چیز
ففرض فی اموال الاغنیاء	کی ضرورت نہ رہے۔ چنانچہ مالداروں
ما یکفی الفقراء، فوقع	کے مال میں اتنی مقدار فرض کی ہے
الظلم من الطائفتین الغنی	جو غریبوں کے لئے کافی ہو۔ اگر
یمنع ما وجب علیہ	کہیں مقدار بہت زیادہ ہوتی تو دونوں
والآخذ یاخذ ما	جانب سے زیادتی متوقع تھی ایک
لا یستحقہ فتولد	طرف مالدار اپنا فرض پورا کرنے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من الطائفتين ضرر عظيم على المساكين وفاقة شديدة اوجبت لهم انواع الحيل والالحاف للمسألة [1]

کرتا اتا دوسری طرف لینے والا بے استحقاق مال کثیر حاصل کرتا اور دونوں کے عمل سے غریبوں کو نقصان پہنچتا اور فقر و فاقہ کی شدت انھیں مختلف حیلے اپنانے اور بھیک مانگنے پر مجبور کر دیتی۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

واذا تامل العاقل مقدار ما اوجب الشارع في الزكاة وجده مما لا يضر المخرج فقده وينفع الفقير اخذه ورآه قد راعى فيه حال صاحب المال وجانبه حق الرعاية ونفع الآخذ به [2]

اگر صاحب دانش اس مقدار کو دیکھے جو شارع نے زکاۃ کے سلسلہ میں واجب کی ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ اتنی ہلکی ہے کہ اس کا نکالنا مال والے کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر محتاج اسے حاصل کر کے مگر محتاج اسے حاصل کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس میں مال والے کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے اور لینے والے کا فائدہ بھی ملحوظ ہے۔

زکاۃ اموال نامیہ پر

زکاۃ ہر طرح کی املاک پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف ان اموال پر فرض ہے

---

[1] زاد المعاد جلد اول ص ۱۴۷

[2] ابن القیم، اعلام الموقعین جلد دوم ص ۹۲ القاہرہ مکتبۃ السعادۃ ۱۹۵۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن میں افزائش کی صلاحیت پائی جاتی ہے خواہ یہ صلاحیت بالفعل ہو یا بالقوہ۔ رہے وہ سامان جو استعمال کے ہیں مثلاً لباس، آلات و اوزار، رہائش کے گھر، سواری کے جانور وغیرہ تو یہ سب زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ معاشی اعتبار سے یہ نہایت مناسب و منصفانہ فیصلہ ہے کہ زکاۃ صرف ان مالوں پر ہو جن میں نمو کی صلاحیت ہو۔ جن مالوں پر زکاۃ عائد ہوتی ہے انھیں چار موٹی قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے، مویشی، زرعی پیداوار، سونا چاندی اور سامان تجارت۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:۔

ثم انہ جعلہا فی اربعۃ	پھر شارع نے زکوٰۃ کو صرف
اصناف من المال وھی	چار طرح کے اموال میں واجب قرار
اکثر الاموال دورا بین	دیا ہے یہی مال زیادہ تر لوگوں میں گردش
الخلق وحاجتہم الیہا	کرتے ہیں اور ان ہی کی انھیں ضرورت
ضروریۃ احدھا الزرع	پڑا کرتی ہے۔ اول زرعی پیداوار
والثمار، والثانیۃ بہیمۃ الانعام	اور پھل دوم مویشی جیسے اونٹ، گائیں
الابل والبقر والغنم۔ والثالث	اور بکریاں، سوم سونا اور چاندی جن
الجوھران اللذان بہما قوام	پر اہل دنیا کے معاملات کا مدار ہے
العالم وھما الذھب والفضۃ	چہارم مختلف قسم کے تجارتی سامان
والرابع اموال التجارۃ علی	----
اختلاف انواعہا۔[1]	

اسی طرح کی حکمت انھوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بھی بیان کی ہے

فان الشارع اوجب	زکاۃ کو شارع نے فقراء کی مدد،
الزکاۃ مواساۃ للفقراء	مال کی پاکی اور رب کی بندگی کے مقصد
وطھرۃ للمال وعبودیۃ	سے واجب کیا ہے، تاکہ بندہ

---

[1] ابن القیم، اعلام الموقعین جلد دوم ص ۹۲ القاہرہ مکتبہ السعادۃ ۱۹۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

للرب وتقربا اليه
باخراج محبوب العبد
له وايثار مرضاته ثم
فرضها على اكمل
الوجوه وانفعها
للمساكين وارفقها
بارباب الاموال ولم
يفرضها فى كل مال
بل فرضها فى الاموال
التى تحتمل المواساة
ويكثر فيها الربح
والدر والنسل ولم
يفرضها فيما يحتاج
العبد اليه من ماله
ولا غنى له عنه كعبيده
وامائه ومركوبه
وداره وثيابه وسلاحه
بل فرضها فى
اربعة اجناس من
المال: المواشى والزروع
والثمار والذهب والفضة وعروض
التجارة فان هذه اكثر اموال
الناس الدائرة بينهم وعامة

اپنی محبوب چیز کا ایک حصہ نکال کر اس
سے تقرب حاصل کرے اور اس کی
خوشنودی کو ترجیح دے۔ اس کی فرضیت
ہر طرح سے اپنی مکمل شکل میں ہے جو
اہل حاجت کے لئے بھی زیادہ سے
زیادہ نفع بخش ہے اور اہل مال کے
لئے بھی آسان ہے۔ اسے ہر طرح
کے مال میں فرض نہیں کیا ہے بلکہ صرف
ان مالوں میں فرض کیا ہے جن میں مواسات
کی گنجائش ہے اور جن میں اضافہ،
نفع اور افزائش نسل ممکن ہے۔ اسے
ان چیزوں پر واجب نہیں کیا ہے جو
آدمی کی اپنی ضرورت سے فاضل نہ ہوں
یا جو اس کے لئے ضروری ہوں جیسے
غلام، لونڈیاں، سواری کے جانور، گھر،
لباس اور ہتھیار۔ بس چار طرح کے اموال
مویشی، پھل اور زرعی پیداوار، سونا چاندی
اور سامان تجارت پر زکاۃ فرض کی ہے۔
عام طور پر لوگوں میں ان ہی اموال کی لین
دین ہوتی ہے اور ان کے معاملات بھی
ان ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ان ہی
میں دوسروں کو شریک کرنے کی
گنجائش ہوتی ہے نہ کہ وہ مال جن سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصرفهم فيها وهي التي تحتمل المواساة دون ما اسقط الزكاة فيه[۵۰]

زکاۃ ساقط کر دی گئی ہے۔

محنت ومشقت کا اعتبار

مختلف قسم کے اموال میں شریعت نے مختلف شرحیں طے کی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اپنی تحریروں میں دو مقامات پران کا تجزیہ کرکے ان کے پیچھے مخفی معاشی حکمت ومصلحت کو واضح کیا ہے۔ ابن قیم کے مطابق زکاۃ کی مختلف شرحوں کے پیچھے معاشی عامل "محنت" کا اعتبار کیا گیا ہے۔ جن اموال کے حصول پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے وہاں شرح زکاۃ کم ہے اور جہاں محنت کم لگتی ہے وہاں شرح زکاۃ اونچی ہے۔ علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

ثم انه فاوت بين مقادير الواجب بحسب سعي ارباب الاموال في تحصيلها وسهولة ذالك ومشقته فاوجب الخمس فيما صادفه الانسان مجموعا محصلا من الاموال وهو الركاز ولم يعتبر له حولا بل اوجب فيه الخمس متى ظفر به واوجب نصفه وهو العشر فيما كانت

مختلف قسم کے اموال کے حصول میں جو سعی ومحنت یا سہولت ومشقت ہوتی ہے اس کا اعتبار کرکے آپؐ نے زکاۃ کی مختلف مقداریں واجب کی ہیں۔ جہاں انسان کو دولت کا ڈھیر یکجا مل جاتا ہے یعنی دفینہ وہاں پانچواں حصہ فرض ہے۔ اس میں سال کا گزرنا بھی شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی ملے خمس واجب ہے۔ دسواں حصہ ایسے مال پر عائد کیا ہے جہاں اس سے زیادہ محنت ومشقت لگتی ہے یعنی وہ پھل اور کھیتیاں جن کے لئے انسان زمین

---

[۵۰] اعلام الموقعین، جلد دوم ص۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشقة تحصيله وتعبه	تیار کرنا ہے، بیج بوتا ہے باقی آب پاشی
وكلفته فوق ذلك	کا کام اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس
وذلك في الثمار والزروع التي	کے لئے آدمی کو محنت کرنے، پانی
يباشر حرث ارضها وبذرها	خریدنے یا کنواں کھودنے کی ضرورت
ويتولى الله سقيها من	نہیں پڑتی۔ لیکن نصف عشر یا بیسواں
عنده بلا كلفة في العبد	حصہ واجب ہوگا جب کہ انسان اس
ولا شراء ماء ولا اثارة بئر	کی آب پاشی کے لئے بھی محنت کرے
ودواب واوجب نصف	اور مصنوعی ذرائع جیسے رہٹ یا آب پاشی
العشر فيما تولى العبد سقيه	کے جانوروں سے سینچائی کرے اور اس
بالكلفة والدوالي	سے بھی کم یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے
والنواضح وغيرها	ان مالوں میں جن کی افزائش صاحب
واوجب نصف ذلك وهو	مال کی مسلسل محنت پر موقوف ہوتی
ربع العشر فيما كان	ہے، انسان اس کے لئے کبھی سفر
النماء فيه موقوفا على	کرتا ہے کبھی اپنی جگہ کاروبار کرتا ہے
عمل متصل من رب	اور کبھی آس لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ اس
المال بالضرب في الارض	میں شک نہیں کہ یہ محنت و مشقت
تارة وبالادارة تارة وبالتربص	زرعی پیداوار اور پھل کی پیداوار میں
تارة - ولاريب ان كلفة هذا	لگنے والی محنت و مشقت سے زیادہ
اعظم من كلفة الزرع والثمار [شه]	ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت زاد المعاد کی ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:۔

ثم لما كان حصول النماء	چونکہ تجارت کے ذریعہ فائدہ اور افزونی

شه زاد المعاد جلد اول ص۱۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والربح بالتجارة من اشق
الاشياء واكثرها
معاناة وعملاً خفضها بان
جعل فيه ربع العشر، ولما
كان الربح والنماء بالزروع
والثمار التي تسقى بالكلفة
اقل والعمل اليسر ولا يكون
في كل السنة جعل ضعفه
وهو نصف العشر ولما
كان التعب والعمل فيما
يشرب بنفسه اقل و
المؤنة ايسر جعله
ضعف ذلك وهو العشر
واكتفى فيه بزكاة عامه
خاصة فلو اقام عنده
بعد ذلك عدة احوال
لغير التجارة لم يكن
فيه زكاة لانه قد
انقطع نماؤه وزيادته بخلاف
الماشية وبخلاف ما
لو اعد للتجارة فانه عرضة
للنماء، ثم لما كان الركاز
مالاً مجموعا محصلا

کا حصول نہایت پرمشقت اور تھکا دینے
والا ہوتا ہے اس لئے اس میں شرح
زکاۃ ہلکی رکھی ہے یعنی چالیسواں حصہ
اور چونکہ وہ کھیتیاں اور پھل جنہیں مصنوعی
ذرائع سے سیراب کیا جاتا ہے ان میں
عمل کم اور آسان ہوتا ہے (بہ نسبت
تجارت کے) اور وہ بھی سال کے کچھ
حصوں میں اس لئے شرح زکاۃ دوگنی
یعنی بیسواں حصہ واجب کیا ہے اور
جو کھیتیاں خود سیراب ہوتی ہیں ان میں
محنت ومشقت اور بھی کم ہوتی ہے
اس لئے اس طرح کی پیداوار میں پہلے
کی نسبت دوگنا یعنی دسواں حصہ رکھا
گیا ہے اور ان چیزوں میں صرف پیداوار
کے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اس
کے بعد اگر کئی سال تک اس کے یہاں
وہ غلہ بغیر کسی تجارتی غرض کے پڑا رہے
تو پھر زکاۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ
اب اس میں نمو کا عمل منقطع ہوگیا ہے۔
برخلاف مویشیوں کے یا تجارت کے
سامان کے (جن پر ہر سال زکاۃ ہے)
کہ ان میں نمو ہوتا رہتا ہے۔ جہاں
تک دفینہ کا تعلق ہے تو چونکہ وہ یکجا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکلفۃ تحصیلہ اقل	دریافت ہوتا ہے اور یہاں محنت
من غیرہ ولم یحتج الی	دوسری طرح کے مالوں سے کم ہوتی
اکثر من استخراجہ	ہے صرف نکالنے کی زحمت کرنی
کان الواجب فیہ ضعف	پڑتی ہے اس لئے اس میں شرح
ذلک وھو الخمس ......[۹]	اور زیادہ ہے یعنی پانچواں حصہ۔

زکاۃ کی مختلف شرحوں کی تعیین میں اہم معاشی عامل "محنت" کو بنیاد قرار دینا عدل و مساوات کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اگر ہر طرح کے مال پر ایک ہی شرح ہوتو مال کی وہ قسمیں جو محنت شاقہ کی طالب ہوتی ہیں ان کے حصول کے لئے آدمی کم ہی راغب ہوتا ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مختلف نصاب کے پیچھے اس طرح کی حکمت کی نشاندہی ابن قیم کے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) نے بھی کی ہے[۱۰] یہ چیز ان بزرگوں کی معاشی تجزیاتی بصیرت پر دلیل ہے۔ ان سے پہلے شاید ہی کسی نے ایسی توجیہ کی ہو۔ البتہ اس دریافت کی عملی اہمیت پر انھوں نے اپنی رائے نہیں دی، یعنی یہ کہ اگر محنت تجارت کے بجائے زراعت میں بڑھ جائے یا زراعت کی بہ نسبت دفینہ (جس میں اکثر فقہا معدنی دولت کو بھی شمار کرتے ہیں) میں زیادہ لگے تو قیاس کر کے شرح میں کسی ردو بدل یا لاگت وضع کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ کیوں نہ وراثت میں یا نخفہ میں پائی جانے والی دولت پر بھی نہایت اونچی شرح زکاۃ عائد کی جائے؟ کیوں اسے چوتھی قسم میں شمار کیا جائے جس پر صرف ڈھائی فیصد زکاۃ ہے اور وہ بھی پورا سال گزرنے پر۔ لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کی محنت و مشقت وارث کی اپنی محنت شمار کی گئی ہے کیوں کہ وارث اپنے پیش رو کی صرف دولت ہی نہیں حاصل کرتا بلکہ مالی خسارے بھی اس کے حصہ میں آتے ہیں۔ اگر

---

[۹] اعلام الموقعین جلد دوم ص ۹۱، ۹۲
[۱۰] ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ جلد ۲۵ ص ۸ الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۵ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے کبھی ثروت ہاتھ آتی ہے تو کبھی ادائیگی قرض کا پابند بھی کیا جاتا ہے۔ جہاں تک موہوبہ دولت کا تعلق ہے اس پر نہایت اونچی شرح کی زکاۃ عائد کرنے سے فیاضی و احسان اور تحائف و ہدایا کے عمل پر ضرب لگے گی جو کہ ایثار و قربانی اور محبت و تعاون کی علامات ہیں اور اسلام ان کی بہت افزائی کرتا ہے۔

زکاۃ کی مختلف شرحوں کا ایک اور بھی سبب علامہ ابن قیم نے بیان کیا ہے:۔

وایضاً فان نمو الزرع والثمار	نیز کھیتی اور پھل کی پیداوار تجارت کے
اظهر واكثر من نمو	اضافہ سے زیادہ فراواں نمایاں ہوتی
التجارة فكان واجبها اكثر	ہے اس لئے اس میں واجب مقدار
من واجب التجارة وظهور	تجارت میں واجب ہونے والی مقدار
النمو فيما يسقى بالسماء و	سے زیادہ ہے اور جو زمین بارش یا دریا
الانهار اكثر مما	کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اس کی
يسقى بالدوالى والنواضح	پیداوار رہٹ اور کنووں سے سیراب
وظهوره فيما وجد	ہونے والی زمین کی پیداوار سے زیادہ
محصلا مجموعا كالكنز	ہوتی ہے۔ اور خزانے وغیرہ جو اکٹھا
اكثر واظهر من	مل جاتے ہیں ان کا اضافہ تمام ہی سے
الجميع [1]	بڑھ کر ہوتا ہے۔

یہ دوسرا سبب علامہ ابن القیم کے دور میں ممکن ہے صحیح رہا ہو جب کہ صنعت و تجارت میں اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ ہمارے اس دور میں ہوئی ہے۔ اس وقت تجارتی سرگرمیاں زیادہ تر چھوٹی موٹی صنعتوں اور معمولی کاروبار تک ہی محدود تھیں آب پاشی کے وسائل و ذرائع سادے قسم کے اور ناکافی تھے۔ مگر اس دور میں جب کہ ملکی و عالمی تجارت نہایت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے اور زراعت و آب پاشی کے جدید ترین

---

[1] زاد المعاد جلد اول صـ ۱۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترقی یافتہ آلات کی مدد سے غلہ کی پیداوار بارش سے ہونے والی پیداوار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، مذکورہ بالا توجیہ تئے غور وفکر کی طالب ہے۔

حولان حول کی معاشی اہمیت

زکاۃ کے وجوب کے لئے حولان حول یعنی ملکیت پر ایک مکمل سال کا گزرنا شرط ہے سوائے زرعی پیداوار اور رکاز کے، کیوں کہ زرعی پیداوار پر زکاۃ ہر کٹائی کے بعد اور دفینہ یا رکاز پر دریافت کے بعد ہی زکاۃ ہے۔ حولان حول کی شرط معاشی اعتبار سے کافی اہم ہے، کیوں کہ یہ مدت اگر ایک سال سے کم ہوتی تو مال داروں پر شاق گزرتی اور وصولی زکاۃ پر لاگت بھی کافی آتی۔ اور کہیں یہ وقفۂ وصولی ایک سال سے زیادہ ہوتا، مثلاً پانچ سال بعد، دس سال بعد یا عمر میں ایک بار تو اس سے اہل حاجت اور دوسرے مستفیدین زکاۃ کو پریشانی لاحق ہوتی۔ اتنی طویل مدت کے لئے تاب انتظار کس میں رہتی۔ اس حقیقت کی طرف ابن قیمؒ نے ذیل کی عبارت میں اشارہ کیا ہے۔

ثم انه اوجبها مرۃ کل عام	پھر اسے سال میں ایک بار واجب کیا
وجعل حول الزرع والثمار	لیکن پھل اور کھیتوں کی زکاۃ کا وقت
عند کمالها واستوائها	اس کی تیاری اور فصل کا پکنا قرار دیا
وهذا اعدل ما یکون،	وقت کی یہ تعیین نہایت عادلانہ ہے
اذ وجوبها کل شهر او کل	کیوں کہ اگر زکوٰۃ ہر ماہ یا ہر جمعہ کو واجب
جمعة یضر بارباب الاموال	ہوتی تو اس سے مالداروں کو ضرر لاحق
ووجوبها فی العمر مرۃ مما	ہوتا اور اگر عمر میں ایک بار واجب ہوتی
یضر بالمساکین فلم	تو اہل حاجت کو ضرر پہنچتا۔ اس لئے
یکن اعدل من وجوبها	سالانہ ادائیگی سے بڑھ کر کوئی عادلانہ
کل عام مرۃ ... ۱۲	نظام نہیں ہوسکتا۔

---

۱۲ ایضاً جلد اول صفحہ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں :۔

... ثم لما کانت المواساۃ لا تحتمل کل یوم ولا کل شھر اذ فیہ اجحاف بارباب الاموال جعلھا کل عام مرۃ کما جعل الصیام کذالک[۱۳]

چونکہ لوگوں کی مواسات اور حاجت روائی کی گنجائش ہر روز اور ہر مہینہ میں نکالنی مشکل ہے کیوں کہ اس میں مال والوں کو ضرر لاحق ہوگا اس لئے روزہ کی طرح زکوٰۃ کو بھی ہر سال ایک بار واجب قرار دیا۔

زکاۃ کے سالانہ وجوب کے پیچھے کچھ اور بھی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جن کا علامہ نے ذکر نہیں کیا۔ مثال کے طور پر زکاۃ اموال نامیہ پر ہے اس کا تقاضا ہے کہ آدمی کو مناسب موقع ملے کہ وہ ان اموال نامیہ سے فائدہ اٹھا سکے اور کسی کاروبار میں لگا کر اس کے ثمرات دیکھ سکے ایک سال کی مدت عموماً کاروبار شروع کرنے اور اس کے نتائج حاصل کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر زکاۃ ہر ماہ یا ہر ہفتہ واجب ہوتی تو ادا کرنے والوں کو بہت سے مسائل و مشکلات کا سامنا ہوتا مثلاً آئے دن زکاۃ کا حساب و کتاب کرنا، کاروبار میں لگے ہوئے سرمایہ میں سے زکاۃ ادا کرنے کے لئے کچھ نکالنا وغیرہ۔

مصارف زکاۃ کا تجزیہ

مصارف زکاۃ کی توجیہ و تحلیل کرتے ہوئے ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ زکاۃ سے مستفید ہونے والی آٹھ قسموں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو محتاج ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق زکاۃ لیں، دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنھیں ان کی نفع بخشی کی وجہ سے زکاۃ دی جاتی ہے۔ اگر کوئی محتاج نہ ہو اور نہ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو ایسے شخص کو زکاۃ نہیں دی جائے گی۔ اس سے واضح ہے کہ زکاۃ عام معنی میں حکومت کی آمدنی نہیں ہے کہ جیسے اور جہاں چاہے

---

[۱۳] اعلام الموقعین جلد دوم صد ۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرچ کرے۔ ابن القیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے۔

والرب سبحانه تولى قسمة الصدقة بنفسه وجزأها ثمانية أجزاء يجمعها صنفان من الناس أحدهما من يأخذ لحاجته فيأخذ بحسب شدة الحاجة وضعفها وكثرتها وقلتها وهم الفقراء والمساكين وفي الرقاب وابن السبيل والثاني من يأخذ لمنفعته وهم العاملون والمؤلفة قلوبهم والغارمون لإصلاح ذات البين والغزاة في سبيل الله، فإن لم يكن الآخذ محتاجا ولا فيه منفعة للمسلمين فلا سهم له في الزكاة ۲۴ھ

اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کی تقسیم خود فرمائی ہے اور اسے آٹھ حصوں میں بانٹا ہے جو دو طرح کے لوگوں پر مشتمل ہیں، ایک طرح کے لوگ وہ ہیں جو اپنی حاجت کے سبب زکاۃ لیتے ہیں، ان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی شدت یا ضعف اور کثرت یا قلت کے مطابق زکاۃ لیں۔ اس گروہ میں فقراء، مساکین، مکاتب اور مسافر آتے ہیں دوسری طرح کے لوگ وہ ہیں جو اپنی نفع بخشی کی وجہ سے زکاۃ لیتے ہیں اس گروہ میں زکاۃ کے کارندے، مولفۃ القلوب، نیک مقصد کے لئے دام قرض میں گرفتار اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے آتے ہیں، اگر زکاۃ کا خواستگار نہ خود محتاج ہو اور نہ اس کی ذات سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو ایسے لوگوں کا زکاۃ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسموں کے علاوہ بھی مال درکار ہو یا زکاۃ کی آمدنی ناکافی ہو تو کیا کیا جائے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس

۲۴ھ زاد المعاد جلد اول ص ۱۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف کوئی واضح اشارہ نہیں کیا ہے۔ لیکن ان کے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ نے شدت کے ساتھ زکاۃ کے علاوہ بھی مالی ذمہ داریوں کی وکالت کی ہے[۱۵] اور ان سے پہلے علامہ ابن حزمؒ (متوفی سنہ ۱۰۶۴ء) نے بھی اس نکتہ پر کافی زور دیا ہے[۱۶]

۱۵۔ ابن تیمیہ، الایمان ص۲۹۹ طبعۃ ثانیہ بیروت المکتب الاسلامی ۱۳۹۲ھ و مجموع فتاویٰ جلد ۲۹ ص۱۷۸

۱۶۔ ابن حزم، المحلی تحقیق احمد شاکر جلد ششم ص۱۵۶-۱۵۹ القاہرہ، المنیریہ ۱۳۴۷ھ

ہندوستان پبلیکیشنز کی اہم مطبوعات

۲۰۳۵۔ گلی قاسم جان۔ بلیماران۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

۱۔ اسلام ایک روشن حقیقت	ڈاکٹر حمودہ عبد العاطی	۲۵/-
۲۔ اخوان المسلمون کا تربیتی نظام	یوسف القرضاوی	۸/-
۳۔ ہم دعوت کا کام کیسے کریں	عبد البدیع صقر	۸/-
۴۔ اسلامی معیشت کے بنیادی اصول	محمد ابو السعود	۱۰/-
۵۔ دعوت اسلامی۔ پندرہویں صدی کے استقبال میں	الغزالی	۲۰/-
۶۔ اسلامی کردار	محمد الغزالی	۲۰/-
۷۔ زنداں کے شب و روز	زینب الغزالی	۱۲/-
۸۔ اسلام کی بنیادیں	حسن ایوب	۲۰/-
۹۔ تحریک اور دعوت	بہی الخولی	۳۵/-
۱۰۔ تحریک اسلامی، مشکلات، مسائل، آزمائش	فتحی یکن	۱۴/-
۱۱۔ اسلامی حکومت، حقوق و فرائض	عبد الکریم زیدان	۷/-
۱۲۔ اخوان المسلمون۔ مقصد۔ مراحل۔ طریقۂ کار	سعید حوی	۱۵/-
۱۳۔ تصوف کی تین اہم کتابیں	سید احمد عروج قادری	۷/۵۰

© rasailojaraid.com